مولانا شاہ ابوالحسن ادیبؔ فن اور شخصیت

ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ

پروفیسر وصدر شعبہ اردو، گورنمنٹ بائز کالج، کولار

محترم سامعین

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ

آج کے اس سیمینار میں بہ نفس نفیس شامل نہ ہونے کے لئے معذرت خواہ ہوں اس لئے بھی کہ اردو کی درس وتدریس کے پیشے سے جڑے رہنے کے باعث جہاں ہفتہ بھر اس کام میں مشغول رہنا پڑتا ہے وہاں خاص کر اتوار کا دن میرے عزیز طلباء جو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے فاصلاتی تعلیم سے جڑے ہیں دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آتے ہیں تا کہ اپنی تشنگی علم کی آبیاری کر سکیں، اس فرض کے تحت ان کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے مجھے انہیں مایوس کرنا اچھا نہیں لگا۔ اور اس بارے میں منتظمین سے معذرت بھی چاہی امید کہ آپ بھی اس ضمن میں میری اس مجبوی کو نظر انداز کریں گے۔

آج کا یہ سیمینار عالمی رابطہ اسلامی کے سیمیناروں کی تیسری کڑی ہے جو کرناٹک کی مشہور سرزمین کولار میں منعقد ہو رہا ہے یہ وہ سرزمین ہے جس نے ہندوستان کی معیشت کو سونے جیسی دھات سے مالا مال کیا حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے خاندان والے یہاں آسودہ ہیں اور ان سے وابستہ بہت سے آثار قدیمہ کا مخزن بھی۔ اور آج ریشم اور دودھ کی کاشت سے مالا مال ہے۔ جہاں تک ادب کا سوال ہے یہ سرزمین کسی اور خطہ سے کم نہیں خاص کر اردو زبان وادب کے بارے میں بہت ہی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ یہاں پر منعقدہ متعدد ادبی مجالس و بحث ومباحثوں میں حصہ لینے کا موقع ملا جہاں پر ضلع کولار کے اردو دان طبقوں اور ان کے شعور کی داد دینی چاہئے وہ اس لئے بھی کہ یہ ادبی شعور انہیں وراثت میں ملا ہے۔ انہیں اجداد میں ایک اہم شخصیت ہے مولانا شاہ ابوالحسن ادیبؔ مرحوم کی ہے جن کا تعلق سدلگٹہ کی سر زمین سے ہے۔

آپ کے والد مرحوم حضرت آثمؔ اور ان کا خاندان کئی نسلوں سے شعر وادب کی خدمت میں مصروف تھا، حضرت آثمؔ اگر چہ محکمۂ پولس سے وابستہ تھے لیکن اپنے آباواجداد کی وراثت کو نہیں بھول پائے جو کئی نسلوں سے زبان وادب کی خدمت میں مصروف تھا ان کے آباواجداد سلاطین بیجاپور کے عہد حکومت میں اچھے عہدوں پر فائز تھے سقوط بیجاپور کے بعد ان بزرگوں نے مذہب اور ادب کی تبلیغ کے لئے کولار کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت آثمؔ حافظ قرآن، اپنے عہد کے جید عالم اور فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے ان کی تصانیف میں رسول مقبول اور ستارہ صبح اہم ہیں۔ اسی خاندان میں مولانا شاہ ابوالحسن نے ۱۸۰۳ء میں آنکھ کھولی۔

مرے اسلاف جو عالی ہمم تھے
وہ سارے صاحب سیف و قلم تھے

عام دستور کے مطابق ادیبؔ کی تعلیم قرآن شریف سے شروع ہوئی، اپنے والد سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

سلیم تمنائی مولانا کا قلمی خاکہ اس طرح کھینچتے ہیں۔ ''رنگ سانولا، سر پر پگڑی، جسم پر شیروانی ڈھیلی ڈھالی، تھوڑی سے لگی داڑھی۔ لمبے لمبے ڈگ اونچی اڑان، اسپ صبا رفتار قلم۔ ہونٹوں میں بیڑی تھمی ہوئی اور ہاتھ میں الفاظ و معانی کے گل بوٹے کھلاتا ہوا قلم۔ نظم و نثر کی موجیں دریائے کاغذ پر اچھلتی کودتی اور مچلتی۔ کتابی چہرہ اخبار کرنیں۔ چھوٹی موٹی تازی کتابیں قطار در قطار۔ انھیں نصاب نے بڑھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اپنا ویران گھر شاد و آباد کیا اور کتب فروش حضرات نے فائدہ اٹھایا۔''

تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیمات میں ملازمت حاصل کی۔ آپکی علمی استعداد کو جلا بخشنے کے لئے محکمہ نے لاہور بھیجا چار سال تک اورینٹل کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ اور منشی فاضل ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے یونیورسٹی بھر میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے پر انہیں طلائی تمغہ عطا ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے ایک پرچے کے جوابات آپ نے منظوم لکھے تھے۔ لاہور کے ادبی و شعری ماحول نے آپکی فطری صلاحیتوں کو ابھارا اور نکھارا۔ خصوصاً عبدالعزیز میمن جو عربی کے مستند عالم تھے بہت حوصلہ افزائی کی۔ یہاں علامہ اقبال کے علاوہ پروفیسر محمد شفیع، مولانا اولاد حسین شاداں بلگرامی اور مولانا محمد طلحہ جیسے صاحب ذوق حضرات کا ساتھ ملا۔ لاہور کے ادبی ماحول نے ان کی صلاحیتوں کو نکھارا اور سنوارا۔ اورینٹل کالج کے انعامی مشاعرے میں مولانا نے ایک نظم سنائی جسے سامعین نے بے حد سراہا اور پہلے انعام کا مستحق قرار دیا۔ اس مشاعرہ کی صدارت علامہ اقبال نے کی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں وہ میسور لوٹ آئے۔ یونیورسٹی نے آپکو تحقیقی کام کے لئے وظیفہ بھی مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کیا شاید قدرت ان کی علمی قابلیت سے کرناٹک کے عوام کو مستفید کرنا چاہتی تھی چنانچہ آپ جب وہاں سے لوٹ آئے، تادم زیست وہ لکھتے پڑھتے رہے۔ میسور کی ٹریننگ کالج میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے جہاں اساتذہ کو ان سے استفادہ حاصل کرنے کا موقع حاصل ہوا جن میں مولوی محمد خان صاحب بھی شامل ہیں۔ یہاں سے حسن وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد میسور یونیورسٹی نے آپکی خدمات حاصل کیں۔ مہاراجہ کالج میں جب وہ درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے تو ۱۹۴۶ میں پروفیسر بی۔ شیخ علی صاحب موظف وائس چانسلر منگلور و گو اطالب علم تھے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ''فضیلت مولانا کے ذمہ میں اس قدر آئی تھی کہ ان کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا سارے شہر میں ان کے علم، فضیلت کی دھوم تھی ان کے قلم سے ان گنت کتابیں نکل چکی تھیں۔ ان کی شعر و شاعری کا چرچا زباں زد خاص و عام تھا۔ ان کے تفکر، تجسس، و تفتیش کا ہر ذی شعور معترف تھا۔ خاص کر ان کا انداز بیان و نکتہ رس نگاہ و معنی خیز وضاحت و فراست سے ہر طالب علم ایسا لطف اندوز ہوتا کہ گویا کسی اندھے کو بینائی مل گئی ہو۔ لہذا راقم الحروف پر ان کی غیر معمولی ذہانت علمی قابلیت عربی و فارسی و اردو پر عبور شعر و شاعری کا چسکہ۔ تصنیف سے رغبت کا احترام اس قدر گہرا تھا کہ گویا وہ میرے بھی پیر و مرشد تھے۔ میرے لئے بھی مشعل راہ تھے اور میری ساری کاوشوں اور کوششوں و خواہشوں و تمناؤں کی جیتی جاگتی تصویر کا نمونہ تھے۔'' مولانا کو بحیثیت معلم پروفیسر صاحب نے بہت قریب سے دیکھا تھا ۱۹۴۷ء میں یہ نئے نئے لکچرار مقرر ہوئے تھے۔ مولانا کی ہستی سے بہت مرعوب رہا کرتے اس لئے کہ عرصہ دراز سے ان کی شہرت ان کے کانوں میں گونج رہی تھی ان کے پرائمری، مڈل، اور ہائی سکول کے اساتذہ ان کے شاگرد رہ چکے تھے۔

اپنے دادا مرحوم کی شخصیت کے بارے میں پروفیسر مسعود سراج لکھتے ہیں کہ۔ ''مولانا ادیب بڑی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے خود ہنستے اور دوسروں کو ہنسا کر محفل کو زعفران زار بنا دیتے تھے۔ وہ جس جگہ بیٹھتے تھے رونق محفل بن جاتے انکے عقیدتمندوں اور شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ ان کے آگے کسی اور کا چراغ نہ جل سکا۔ انکی باتیں بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھیں ان سے مل کر جو نقوش ان کی علمیت اور ادبیت کے ذہن و دل پر مرتسم ہوتے تھے ان کو کوئی بھلا نہیں سکتا تھا۔ ان کی شخصیت میں ایسا جادو مضمر تھا کہ جو بھی ان سے ایک مرتبہ ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ وہ دوستوں اور شاگردوں سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔''

مولانا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے وہ شاعر بھی تھے اور ادیب بھی نقاد بھی اور مورخ بھی۔ طلباء میں علم کی لگن اور جستجو کے جذبے کو ابھارنے کے لئے نصاب کی بہتیری کتابیں لکھیں اور انہیں مدارس کے نصاب میں شامل کروایا، اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بیسویں صدی کے اوائل تک جنوبی ہند کے مدرسوں میں شمالی ہند کے مرتبوں کی کتابیں شامل ہوا کرتی تھیں چنانچہ ادیب صاحب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مختلف موضوعات پر اپنا رہوار قلم دوڑایا اور انہیں کتابی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ آپکی علمی کاوشوں کو سراہا گیا اور یہ کتابیں جنوبی ہند کے مختلف مدارس کے نصاب میں شامل رہیں۔

مولانا کی تصانیف بہت کثیر تعداد میں ملتی ہیں ان میں سے چند کا یہاں پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱) قواعد:۔ ۱۹۰۸ء ''جواہر اردو کے نام سے ایک کتاب لکھی اس کتاب میں علامت فاعل ''نے'' سے متعلق سیر حاصل بحث ہے سلم القواعد، اور سراج

القواعد دیگر کتابیں ہیں۔

۲) جدید جغرافیہ عالم:۔ ۱۹۱۶ء میں اردو ترجمہ کیا حکومت نے اس کو شائع کیا۔ اور نصاب میں شامل کر لیا۔ تاریخ عالم کا ترجمہ بھی کیا

۳) تذکرہ قلندر برحق :۔ ۱۹۱۷ء حضرت سیدنا بابا فخر الدین پنکنڈہ شریف سے متعلق یہ کتاب لکھی۔

۴) اصول تعلیم :۔ ۱۹۱۸ء فن تعلیم سے متعلق یہ کتاب مولانا نے اس وقت تصنیف کی جبکہ اس موضوع پر اردو میں کتابیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

۵) تاریخ میسور:۔ ۱۹۲۰ء:۔ یہ کتاب راجگان میسور سے متعلق مکمل حالات پر مشتمل تھی چنانچہ صیغہ تعلیم نے اسے نصاب میں شامل کر لیا۔

۶) جواہر البلاغت:۔ ۱۹۳۰ء :۔ صنائع و بدائع سے متعلق یہ آپ کی اہم تصنیف تھی جس کو ''وی ٹی سی اور مولوی کورس کے نصاب میں شامل کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ پندرہ بیس سال قبل نسیم بک ڈپو لکھنؤ سے بھی شائع ہوئی۔

۷) عقائد و فقہ سے متعلق چھوٹے چھوٹے رسالے قلمبند کئے وہ یہ ہیں۔ عقائد ادیب، احتساب العقائد، قاصد قیامت، خارزار محشر، یلغار موت، دغدغہ دوزخ، گلزار جنت، نعیم فردوس، لمعات زہد، حسن ارادت وغیرہ

۸) راج نامہ:۔ ۱۹۳۵ء شاہ نامہ اسلام کے طرز پر ایک مثنوی لکھی

۹) پند نامہ ادیب:۔ سعدی شیرازی کی تصنیف ''کریما'' کی تتبع میں لکھی

۱۰) قصائد فارسی:۔ عرفی اور خاقانی کے تتبع میں فارسی قصائد بھی لکھے جن میں دریائے نور، ہوش نامہ، نوائے مسرت وغیرہ اہم ہیں۔

۱۱) آئینہ اصلاحات میسور:۔ فارسی نثر میں لکھی جس میں راجگان میسور کے کارناموں کا ذکر ہے۔

مولانا ایک پر گو شاعر بھی تھے اردو فارسی اور عربی زبانوں پر انہیں قدرت حاصل تھی ان تینوں زبانوں میں انہوں نے اپنا شعری سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ مولانا کے دور میں عربی اور فارسی زبانوں کے اثرات اردو پر بہت زیادہ تھے اس دور میں رواج بھی یہی تھا لیکن مولانا نے اس دور میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا غزل کی روانی کے ساتھ ساتھ، اپنے دور کے حالات سے غفلت نہیں برتی جیسے زمانے کے سرد و گرم، انتشار، بے چینی اور معاشرے کی کشمکش، اخلاقی قدروں کا زوال، ان موضوعات پر قلم اٹھا کر مولانا نے زندگی دوست شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مولانا کی شعر و شاعری پر، بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی شاید دوربین نگاہیں اور بہت کچھ ہمارے سامنے لائیں گی۔ ترانہ شاعران کی گراں قدر نظم ہے اس میں شاعر کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے درحقیقت وہ انکی اپنی شخصیت ہے۔ اس سے بڑھ کر مولانا کی شاعری کے بارے میں کہنا دراصل سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی یہ نظم'' ترانہ شاعر''

ہم نوا اک حشر برپا مرے جذبات میں — ایک ہلچل سی مچی ہے میرے احساسات میں
میری ہر آواز جیسے خنجر دلدوز ہے — میرا ایک ایک لفظ گویا برق خرمن سوز ہے
کیا بتاؤں میرے نالوں میں ہے اب کیسا اثر — یہ زمین کیا آسماں بھی ہو گیا زیر و زبر
ہر قدم پر فتنہ محشر اٹھا سکتا ہوں میں — لب کی جنبش سے مردوں کو جلا سکتا ہوں میں
ڈال دوں چاہوں تو ہر شئے میں جہاں کی انقلاب — ایک ہے میرے لئے ہو عہد پیری یا شباب
موجب فرط مسرت بھی ہے میری شاعری — باعث تخلیق عشرت بھی ہے میری شاعری
میرے نغمے باعث افزائش عشرت بھی ہیں — میری باتیں معدن صد بہجت و فرحت بھی ہیں

مولانا کا منتخب کلام انتخاب ادیب ۱۹۹۷ء میں ان کے فرزند ارجمند نجم الحسن انجم جو خود بھی شاعر ہیں کرناٹک اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع کیا ہے۔ حضرت ادیب کا انتقال ۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ سلگنڈ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے''